دہلیز ۱

تین بلیڈ۔ ایک لہو۔

میرے دادا کو معلوم نہ تھا کہ ایک دن کوئی ان کے بارے میں لکھے گا۔

میرے والد کو معلوم نہ تھا کہ ایک دن کوئی ان کے چند فیصلوں کے معنی تلاش کرے گا۔

اور میں، ایک لمبے عرصے تک، یہ بھی نہ جانتا تھا کہ کوئی کہانی موجود ہے۔

میں سمجھتا تھا کہ بس دن ہوتے ہیں۔

عام دن۔

گزارنے کے دن۔

کام، مسائل، گاہکوں، ذمہ داریوں، فون کالوں، سفروں، پورے کیے گئے وعدوں اور ادھورے چھوڑ دیے گئے وعدوں سے بنے دن۔

دنیا کے کروڑوں لوگوں کی طرح۔

بڑی کہانیاں تقریباً ہمیشہ غلط طریقے سے سنائی جاتی ہیں۔

وہ آخر سے شروع ہوتی ہیں۔

وہ نتیجہ دکھاتی ہیں۔

وہ کامیابی کی نمائش کرتی ہیں۔

وہ زندگی کو ایک سیدھی لکیر بنا دیتی ہیں جو لازماً ایک نقطے سے دوسرے نقطے تک لے جاتی ہے۔

حقیقت اس طرح کام نہیں کرتی۔

حقیقت غیر مرئی گزرگاہوں کا مجموعہ ہے۔

وہ لمحہ کوئی نہیں دیکھتا جب ایک باپ بغیر جانے کوئی سبق دے دیتا ہے۔

وہ لمحہ کوئی نہیں دیکھتا جب ایک بیٹا اسے سنبھال لینے کا فیصلہ کرتا ہے۔

وہ لمحہ کوئی نہیں دیکھتا جب کوئی اصول ایک نسل کو عبور کر کے دوسری نسل کی تلاش میں نکل پڑتا ہے۔

اور پھر بھی، جو کہانیاں باقی رہتی ہیں وہ وہیں جنم لیتی ہیں۔

روشنیوں میں نہیں۔

خاموشی میں۔

کئی برس تک میں سمجھتا رہا کہ میرے خاندان کی تین نسلوں اور Gillette کے درمیان رشتہ محض ایک پیشہ ورانہ اتفاق ہے۔

ایک کمپنی۔

ایک نوکری۔

ایک کیریئر۔

بہت سے راستوں جیسا ایک راستہ۔

پھر وقت نے وہ کرنا شروع کیا جو وہ سب سے بہتر کرتا ہے۔

اس نے نقطوں کو جوڑا۔

اس نے ان واقعات کو اکٹھا کیا جو، جس وقت پیش آتے ہیں، الگ تھلگ لگتے ہیں۔

اس نے ایک غیر مرئی ہندسہ بنایا۔

اور آہستہ آہستہ میں سمجھا کہ اصل کردار کمپنی نہیں تھی۔

تسلسل تھا۔

کیونکہ برانڈ بدل سکتا ہے۔

بازار بدل سکتا ہے۔

مصنوع بدل سکتی ہے۔

دنیا تک بدل سکتی ہے۔

لیکن کچھ اقدار ہیں جو اجازت مانگے بغیر ہر چیز کے آر پار گزر جاتی ہیں۔

ضبط۔

دیا ہوا لفظ۔

ذمہ داری۔

وہ وقار جس کے ساتھ آدمی کام کا سامنا کرتا ہے۔

یہ خیال کہ اپنا نام اپنے عہدے سے زیادہ قیمتی ہے۔

یہ چیزیں بیلنس شیٹ میں نہیں آتیں۔

یہ ریزیومے میں نہیں آتیں۔

یہ اخباروں کی سرخیاں نہیں بنتیں۔

لیکن یہی وہ غیر مرئی بنیادیں ہیں جن پر ایک زندگی کھڑی ہوتی ہے۔

مجھے راستے میں ملے بہت سے لوگ یاد ہیں۔

کچھ غیر معمولی۔

کچھ بھلا دیے گئے۔

کچھ طاقتور۔

کچھ نازک۔

برس گزرتے گئے تو میں نے ایک بات محسوس کی۔

باہر کے فرق بہت بڑے تھے۔

اندر کے فرق کہیں کم۔

میں جہاں بھی گیا، جس ملک میں بھی کام کیا، مجھے ہمیشہ ایسے مرد اور عورتیں ملے جو انہی سوالوں سے الجھ رہے تھے۔

وعدہ کیسے نبھایا جائے۔

خاندان کی حفاظت کیسے کی جائے۔

کسی نقصان کا سامنا کیسے کیا جائے۔

کھڑے کیسے رہا جائے جب ہار مان لینا زیادہ آسان ہو۔

چلتے کیسے رہا جائے۔

ہمیشہ اور بس یہی۔

چلتے رہنا۔

شاید اسی لیے یہ کہانی مختلف ثقافتوں کو عبور کر سکتی ہے۔

اس لیے نہیں کہ یہ کسی کمپنی کی بات کرتی ہے۔

اس لیے نہیں کہ یہ میری بات کرتی ہے۔

بلکہ اس لیے کہ یہ اس چیز کی بات کرتی ہے جسے ہر انسان پہچانتا ہے۔

وراثت۔

معاشی نہیں۔

مادی نہیں۔

غیر مرئی وراثت۔

وہ جو ایک شخص سے دوسرے تک بغیر کسی دستخط کے منتقل ہوتی ہے۔

وہ جس کی تصدیق کوئی نوٹری نہیں کر سکتا۔

وہ جو مشکل لمحے میں کیے گئے فیصلے میں ظاہر ہوتی ہے۔

نبھائے گئے ایک لفظ میں۔

قبول کی گئی ایک قربانی میں۔

بغیر گواہوں کے کی گئی ایک دستبرداری میں۔

جب میں چھوٹا تھا تو سمجھتا تھا کہ مقصد پہنچنا ہے۔

حاصل کرنا۔

فتح کرنا۔

جیتنا۔

آج مجھے اتنا یقین نہیں رہا۔

آج میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کا اصل پیمانہ کچھ اور ہے۔

جب شور تھم جاتا ہے تو کیا باقی رہتا ہے؟

جب عہدے مٹ جاتے ہیں تو کیا زندہ بچتا ہے؟

جب لوگ چلے جاتے ہیں تو کیا چلتا رہتا ہے؟

جو جواب مجھے ملا وہ سادہ ہے۔

باقی وہ رہتا ہے جو ہم نے آگے سونپا۔

باقی وہ رہتا ہے جو ہم نے بغیر جانے سکھایا۔

باقی وہ رہتا ہے کہ ہم نے دوسروں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔

باقی وہ رہتا ہے جو ہم بن گئے۔

اور لہو باقی رہتا ہے۔

حیاتیاتی لہو نہیں۔

رشتے کا لہو نہیں۔

اخلاقی تسلسل کے طور پر لہو۔

ایک دھاگے کے طور پر۔

ایک تعلق کے طور پر۔

چلتی پھرتی یاد کے طور پر۔

اسی لیے یہ کہانی کسی مصنوع سے شروع نہیں ہوتی۔

یہ کسی برانڈ سے شروع نہیں ہوتی۔

یہ کسی شخص سے بھی شروع نہیں ہوتی۔

یہ ایک منتقلی سے شروع ہوتی ہے۔

ایک غیر مرئی بیٹن جو وقت کے آر پار جاتا ہے۔

ایک نسل سے دوسری نسل تک۔

ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ تک۔

ایک نام سے دوسرے نام تک۔

تین آدمی۔

تین زمانے۔

تین مختلف راستے۔

ایک ہی دھاگا۔

تین بلیڈ۔

ایک لہو۔

اور باقی سب اس کے بعد آتا ہے۔